قرآن مجید کا اُسلوب

اجمال کے بعد تفصیل

ضیاء الدین اصلاحی

ایجاز بلاغت کی جان ہے۔ لیکن کلام کا اقتضائے حال کے مطابق ہونا اس کی بڑی خوبی ہے۔ اس لئے کبھی کبھی ایجاز کے بجائے تفصیل کو اختیار کرنا مناسب اور بہتر ہوتا ہے۔ قرآن مجید جب عربوں سے خطاب کرتا ہے تو کلام میں اشارہ، کنایہ، حذف اور اختصار کا استعمال زیادہ ہوتا ہے لیکن جب اس کا روئے سخن بنی اسرائیل کی جانب ہوتا ہے تو وہ شرح و بسط سے کام لیتا ہے۔

قرآن مجید کے ایجاز، جامعیت اور اعجاز بیان کا خاص نمونہ ابتدائی دور کی مکّی سورتیں ہیں جو چھوٹی اور مختصر ہونے کے باوجود اپنے دامن میں قرآن کی بنیادی دعوت اور مہمات دین کو سمیٹے ہوئے ہیں گویا دریا کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے، اسی لئے ان سورتوں کو جوامع الکلم کہا جاتا ہے، سورۂ اخلاص کے متعلق سلف کا قول ہے کہ یہ ثلث قرآن ہے، سورۂ فاتحہ کو پورے قرآن مجید کا خلاصہ اور نچوڑ کہا گیا ہے، اور سورۂ والعصر کے متعلق امام شافعیؒ سے منقول ہے "اگر لوگ تنہا اسی سورہ پر غور کریں تو یہ ان کے لئے کفایت کرے گی۔"

ابتدا میں کسی تعلیم و دعوت کو پیش کرنے کا سب سے مناسب اور حکیمانہ طریقہ یہی ہے کہ تفصیلات و جزئیات سے قطع نظر کر کے صرف اصول اور مہمات کی طرف بلایا جائے اسی لئے ابتدائی مکی سورتوں کے اندر دین کے بنیادی عقائد اور اصل تعلیمات ایجاز و اختصار کے ساتھ بیان کی گئی ہیں تاکہ کلیات و مبادی کو ذہنوں میں مستحکم و مستحضر کر دیا جائے، اگر شروع ہی میں تفصیل سے کام لیا جاتا تو لوگ ان کی وسعتوں اور تفصیلات میں الجھ کر رہ جاتے۔ علاوہ ازیں عرب ایجاز سے زیادہ مانوس تھے اس لئے انھیں ان کے پسندیدہ اصول اور مالوف طریقہ کے مطابق

دعوت دینا ہی بہتر اور مفید تھا۔

بعد میں جب لوگ محکمات و کلیات سے آشنا ہو گئے اور یہود سے سابقہ پیش آیا تو مدنی سورتوں میں تفصیل و اطناب اور استقصا سے کام لیا گیا اور لوگوں کو جزئیات و تفصیلات سے بھی واقف کرایا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث و خطبات میں اس کی بکثرت مثالیں ملتی ہیں کہ پہلے آپؐ نے مختصر موثر اور بلیغ جملوں میں لوگوں کے سامنے حقائق و کلیات پیش کئے پھر احکام و شرائط کی تفصیل بیان فرمائی۔

جس طرح ایجاز سے متکلم کی حکمت اور کلیات و حقائق سے واقفیت ظاہر ہوتی ہے، اسی طرح تفصیل سے اس کی وسعتِ علم، دقت نظر اور جزئیات سے باخبری کا پتہ چلتا ہے۔

قرآن مجید میں جابجا تفصیل و ایجاز کا اسلوب ملتا ہے اور اس کا ایک عام قاعدہ و اسلوب یہ ہے کہ وہ پہلے ایک مضمون کو اجمالاً بیان کرتا ہے پھر اس کو شرح و بسط اور تفصیل سے پیش کرتا ہے، اس نے اپنی اس خصوصیت التفصیل بعد الاجمال کا ذکر صراحتاً اس آیت میں کیا ہے۔

كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِن لَّدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ (ھود: ۱)	یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں پہلے محکم کی گئیں ہیں پھر خدائے حکیم و خبیر کی جانب سے ان کی تفصیل کی گئی۔

یہ سورۂ ہود کی پہلی آیت ہے جو اپنے سے پیشتر کی سورۂ یونس کا مثنٰی ہے، ان دونوں سورتوں کے مرکزی مضمون میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے، البتہ اجمال و تفصیل اور بحث و استدلال کے اعتبار سے دونوں کا نہج الگ الگ ہے۔ سورۂ یونس میں جو باتیں اجمالاً بیان ہوئی تھیں مثلاً گزشتہ قوموں کی سرگزشتیں۔ وہ اس سورہ میں تفصیل سے بیان ہوئی ہیں۔ مذکورہ بالا آیت میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

دونوں سورتوں کو بغور پڑھنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں فرق صرف اجمال و تفصیل کا ہے۔ پہلی سورہ میں جو پہلو مجمل رہ گئے تھے وہ اس میں وضاحت سے لائے گئے ہیں، احکام کے معنی کسی چیز کو اچھی طرح گانٹھ دینے اور مضبوط کرنے کے ہیں اگر کپڑے کو خوب گانٹھ دیا جائے اور وہ گٹ ہو جائے تو یہ لفظ اس کے لئے بھی آئے گا، قرآنی آیات کے لئے اس لفظ کے استعمال

سے مقصود اس حقیقت کو واضح کرنا ہے کہ قرآن مجید کی تعلیمات پہلے گٹھے ہوئے مختصر اور جامع جملوں کی شکل میں نازل ہوئیں پھر بالتدریج وہ واضح اور مفصل ہوتی گئیں گویا مدنی دور میں دین کی بنیادی باتوں نے ایک جامع اور ہمہ گیر نظام زندگی کی شکل اختیار کرلی۔ سورۂ ہود کی پہلی ہی آیت میں بطور تمہید قرآن مجید کی یہی خصوصیت بیان ہوئی ہے کہ لوگوں کی تعلیم و ہدایت کے مقصد کو سامنے رکھ کر اللہ تعالیٰ نے اس کو اس شکل میں اتارا ہے کہ پہلے صرف بنیادی اور اصولی باتیں گٹھے ہوئے الفاظ اور جملوں میں اختصار کے ساتھ پیش کی گئی ہیں پھر بتدریج انھوں نے تفصیل کا قالب اختیار کیا ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ تورات کے معاملے میں ترتیب و تدریج اور احکام و تفصیل کا یہ اہتمام نہیں کیا گیا ہے بلکہ اس کا بڑا حصہ بیک دفعہ نازل ہوا ہے، آیت کے آخر میں خدا کی یہ دو صفتیں بیان کی گئی ہیں وہ قابلِ غور ہیں، ان کا منشا یہ ہے کہ خدائے حکیم ہی کو اس کا پتہ ہے کہ وہ حکمت کے خزانوں کو کس طرح مختصر لفظوں میں بند کر دے اور پھر اسی خبیر ذات کی یہ شان ہے کہ وہ ان کو کھول کر دکھائے کہ ایک کوزے میں کتنے سمندر اور دریا ہیں۔

قرآن مجید کے اس اسلوب التفصیل بعد الاجمال کو مزید واضح کرنے کے لئے ہم اس سے بعض مثالیں پیش کرتے ہیں: سورۂ بقرہ کی ایک آیت ہے:

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (البقرۃ: ۲۵۷)	اللہ ان لوگوں کا کارساز ہے جو ایمان لائے، وہ ان کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف لاتا ہے، اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے کارساز طاغوت ہیں، وہ ان کو روشنی سے تاریکیوں میں کر دیتے ہیں، یہی لوگ دوزخی ہیں، یہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

اس آیت میں جو بات مجملاً کہی گئی ہے، اس کے بعد کی تین آیتوں میں تمثیل کے اسلوب میں اس کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں تین اشخاص کے کردار زیرِ بحث آئے ہیں اور یہ دکھایا گیا ہے کہ کس طرح اللہ مومنین کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں کر دیتا ہے اور کافروں کو ان کے اولیا روشنی سے محروم کر کے تاریکیوں میں ڈھکیل دیتے ہیں۔

پہلے ایک ایسے شخص کا ذکر ہے جو اقتدار و حکومت کے نشہ میں سرشار ہے، حضرت ابراہیمؑ اسے روشنی میں لانا چاہتے ہیں، لیکن وہ بحث و مناظرہ پر کمربستہ ہو جاتا ہے اور طاغوت کے ساتھ لگ جاتا ہے، گو حضرت ابراہیمؑ دلائل و براہین سے اسے مبہوت اور لاجواب کر دیتے ہیں مگر وہ معارضہ اور کٹ حجتی کی وجہ سے اپنی بدمستی سے نکلنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

دوسرا شخص نیک نیتی کے ساتھ یقین و بصیرت کا طالب ہوتا ہے اس لئے وہ سرکشی اور عناد سے بحث و جدال کا طریقہ اختیار نہیں کرتا، البتہ جب اس کے دل میں خلش و اضطراب کی ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے دور کر کے یقین و معرفت کی روشنی بخش دیتا ہے۔

تیسرے شخص حضرت ابراہیمؑ تھے جو نہ پہلے شخص کی طرح انکار اور گھمنڈ میں بدمست تھے اور نہ دوسرے شخص کی طرح شک و اضطراب میں مبتلا تھے بلکہ وہ شرح صدر اور مزید اطمینان کے آرزومند تھے جسے اللہ تعالیٰ نے پورا کر دیا۔

۲۔ قرآن مجید کے اس اسلوب کو ملحوظ رکھنے کی وجہ سے بعض مفسرین مجمل آیتوں کو ان کے مابعد کی مفصل آیتوں سے منسوخ قرار دے دیتے ہیں۔ مثلاً سورۂ بقرہ کی احکام سے متعلق مجمل آیات کو عموماً مفصل آیات سے منسوخ مانا جاتا ہے۔ مثلاً پہلی آیتِ صوم کے متعلق ابوجعفر نحاس نے اپنی کتاب الناسخ والمنسوخ میں علما کے پانچ اقوال نقل کئے ہیں جن کا تجزیہ کرنے سے حسب ذیل تین باتیں معلوم ہوتی ہیں:

۱۔ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ الآیۃ عاشورا کے روزوں کی ناسخ ہے، ایک اور قول کے بموجب پہلے ہر ماہ میں تین دنوں کے روزے فرض تھے جو اس آیت سے منسوخ ہو گئے۔

۲۔ یہ آیت منسوخ ہے اس لئے کہ گذشتہ شریعتوں میں روزہ کا طریقہ یہ تھا کہ غروب آفتاب کے بعد بھی لوگ کھانے پینے اور جماع سے باز رہتے تھے، یہی طریقہ ابتدا میں مسلمانوں کے یہاں بھی رائج تھا جو بعد میں أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ الخ (۱۸۷) سے منسوخ ہو گیا۔

۳۔ یہ آیت نہ ناسخ ہے اور نہ منسوخ اور اس میں رمضان کے روزوں کا ذکر ہے۔

اگر التفصیل بعد الاجمال کے اسلوب کو پیش نظر رکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہاں سرے سے ناسخ و منسوخ کا کوئی مسئلہ نہیں ہے بلکہ ابتدائی دو آیتوں میں صوم کے متعلق جو باتیں اجمالاً بیان

کی گئی تھیں انہی کو شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ الخ کہہ کر تفصیل بیان کیا گیا ہے چنانچہ پہلی دونوں آیتوں میں اجمال کی وجہ سے جو شکوک شبہات پیدا ہو رہے تھے ان کی تفصیل بیان کر کے تیسری اور اس کے بعد کی بعض آیتوں میں رفع کیا گیا ہے۔

سورۂ مجادلہ میں پہلے یہ حکم بیان کیا گیا ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ذٰلِكَ خَیْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ (مجادلہ:۱۲)	اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو جب تم رسول سے سرگوشی کرو تو اپنی سرگوشی سے پہلے صدقہ کرو، یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر اور پاکیزہ طریقہ ہے۔

اس کے بعد فرمایا:

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ (مجادلہ:۱۳)	کیا تم اپنے نجویٰ سے پہلے صدقہ کرنے سے ڈر گئے۔

یہاں بھی نسخ کی بحث چھیڑ دی جاتی ہے حالانکہ پہلے اجمالاً ایک حکم بیان کیا گیا ہے کہ منافقین محض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پریشان کرنے کے لئے بار بار آپ کے پاس آتے تھے اور آپ سے سرگوشی کرتے تھے۔ اس لئے انھیں نجوی سے پہلے صدقہ کرنے کا حکم دیا گیا مگر جب اس سختی کی وجہ سے سیدھے سادے عام مسلمانوں کو زحمت پیش آنے لگی تو اس اجمال کی تفصیل بیان کر کے صدقہ کے حکم میں تخفیف کر دی گئی اور شدت کو سہولت میں بدل دیا گیا۔ بعینہٖ یہی صورت سورۂ انفال میں بھی مذکور ہے۔ پہلے کہا گیا کہ مسلمان اپنے سے دس گنا زیادہ دشمنوں پر فتح پائیں گے۔ مگر جب اس اجمال کی تفصیل بیان کی گئی تو فرمایا کہ مسلمان اپنے سے دوگنا مخالفین پر فتح حاصل کریں گے۔ دراصل ان آیتوں میں ناسخ و منسوخ کا کوئی مسئلہ نہیں ہے بلکہ التفصیل بعد الاجمال کا اسلوب مدنظر رکھا گیا ہے۔ یا زیادہ سے زیادہ سابق حکم میں تخفیف و سہولت کی بات کہی گئی ہے۔ اسی لئے فرمایا: اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِیْكُمْ ضَعْفًا الخ

ان چند مثالوں سے ہمارا مدعا واضح ہو گیا ہوگا آخر میں اس اسلوب کے بعض فائدوں

کا ذکر بھی مفید ہوگا۔

۱۔ اجمال کے بعد تفصیل کا اسلوب لانے کا ایک مقصد بیان میں تنوع ہے۔ کیونکہ ایک ہی طرز و اسلوب کی وجہ سے مخاطب و قاری کو جو آزردگی اور بددلی پیدا ہو سکتی ہے وہ اسلوب کے تنوع کی وجہ سے ختم ہو جائے گی۔

۲۔ اس اسلوب سے آدمی میں غور و فکر اور تلاش و تحقیق کا داعیہ پیدا ہو سکتا ہے کیونکہ محکم و مجمل آیتوں میں جو دقیق اور اہم باتیں یا حقائق و معارف بیان کئے گئے ہیں عدم تفصیل کی وجہ سے آدمی پہلے خود ان میں اچھی طرح غور و فکر کرے گا اور گہرائیوں میں ڈوب کر اصل حقیقت کا پتہ لگائے گا اور جب اس کی تفصیل بیان کر دی جائے گی تو معمولی استعداد والے اور کم فہم لوگ بھی ان مسائل کو اچھی طرح سمجھ لیں گے جو اجمال کی صورت میں پہلے ان کو نہیں سمجھ سکے تھے۔

۳ افہام و تفہیم کے نقطۂ نظر سے بھی یہ اسلوب موثر اور دلکش ہے کیونکہ اظہار و ابلاغ کا یہ ایک عام اور معروف طریقہ ہے کہ آدمی پہلے اپنی باتوں کو بطورِ تمہید اختصار کے ساتھ پیش کرتا ہے پھر بتدریج ان کی وضاحت و تفصیل بیان کرتا ہے اور آخر میں سب کا لب لباب اور خلاصہ بیان کرتا ہے، ایک عمدہ خطیب کی یہی شان ہوتی ہے، قرآن مجید کی حیثیت بھی ایک آسمانی خطیب کی ہے جو پہلے اجمالاً اپنے مطالب ذہن نشین کرتا ہے پھر ان کی تفصیلات و جزئیات کو واضح کرتا ہے اور آخر میں عود علی البدء کے اصول و اسلوب کے مطابق اپنے مطالب کا نچوڑ پیش کرتا ہے تاکہ اس کا مفہوم و مدعا بغیر کسی اینچ پیچ کے اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔

۴۔ کسی بات کو پہلے اجمالاً بیان کرنے کا یہ مقصد اور فائدہ اور بھی ہوتا ہے کہ آدمی کا ذہن اس کے لئے ہموار اور اس کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو جائے پھر اس کے مزید اطمینان اور شرح صدر کے لئے اس کی تفصیل و توضیح کی جاتی ہے۔

۵۔ شروع میں بتایا جا چکا ہے کہ تعلیم و تربیت، ہدایت و تذکیر اور دعوت و تبلیغ کے نقطۂ نظر سے بھی یہ نہایت مفید اور بابرکت طریقہ ہے کہ پہلے اصولی اور بنیادی باتیں گٹھے ہوئے الفاظ اور جامع و موثر جملوں میں مختصراً بیان کی جائیں پھر تدریجاً ان کی تفصیل پیش کی جائے۔

اسی لئے قرآن مجید بھی تدریجاً نازل ہوا ہے جیسا کہ فرمایا:

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا	اور قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا نازل کیا تاکہ اسے لوگوں کے سامنے ٹھہر کر پڑھو اور ہم نے اسے یک بارگی نہیں نازل کیا۔ (بنی اسرائیل ۱۰۶)

اس تدریج کی غرض وحکمت یہ ہے کہ لوگوں میں احکام الہٰی کی تعمیل کا جذبہ پیدا ہو اور وہ ان کے تحمل کے لئے اپنے کو اچھی طرح مضبوط بنائیں اور مسلمانوں کے کمزور افراد کی مکمل تربیت ہو جائے اسی لئے صحابہ کرامؓ احکام الہٰی کو سیکھنے سکھانے میں تدریج کا خیال رکھتے تھے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ہم میں سے جب کوئی شخص دس آیتیں سیکھ لیتا تو جب تک ان کے علم وعمل میں پختہ نہ ہو لیتا آگے نہ بڑھتا، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ لوگوں کو صرف پنجشنبہ کے روز نصیحت کرتے تھے تاکہ ان کو اکتاہٹ اور گھبراہٹ نہ ہو، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگر پورا قرآن مجید ایک ہی مرتبہ میں نازل کر دیا گیا ہوتا تو اس کے احکام کی تعمیل میں دشواری ہوتی اس کے نزول میں جو تدریج پائی جاتی ہے ٹھیک وہی تدریج احکام وشرائط کا مکلف بنانے میں بھی ملحوظ رکھی گئی ہے کیونکہ یک بارگی کسی حکم کو عائد کرنے سے اس کا تحمل دشوار ہو جاتا ہے، تدریج کا یہی طریقہ قرآن مجید کی دعوت وپیغام کو پیش کرنے میں بھی اختیار کرنا چاہیئے کہ پہلے اصول وکلیات کی طرف لوگوں کو اجمالاً راغب کیا جائے پھر ان کی جزئیات وتفصیلات سے آگاہ کرایا جائے۔

مولانا فراہیؒ کی نایاب کتابیں اب پھر دستیاب ہیں

رسائل الامام الفراہیؒ فی علوم القرآن

مولانا فراہیؒ کی تین معرکۃ الآرا تصانیف

صفحات: ۲۸۰ قیمت: ۷۵ روپے

(۱) دلائل النظام (۲) التکمیل فی اصول التاویل (۳) اسالیب القرآن کا مجموعہ

ملنے کے پتے: ادارہ علوم القرآن، پوسٹ بکس نمبر ۹۹، سرسید نگر، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲

دائرہ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر اعظم گڑھ (یوپی)